11

ہر قابلیت کے نوجوان خدمتِ دین کے لیے اپنی زندگی وقف کریں

(فرمودہ 24 مارچ 1944ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

" مجھے بہت کچھ کہنا ہے مگر نہ تو میری صحت زیادہ بولنے کی اجازت دیتی ہے اور نہ ہی وقت اتنا کافی ہے کہ مَیں اپنے سارے خیالات کا اظہار کر سکوں۔ اِس وقت بھی کہ مَیں خطبہ کے لیے کھڑا ہوں میرے پاؤں کانپ رہے ہیں اور کھڑا ہونا دوبھر معلوم ہوتا ہے لیکن کام بہت ہے اور وقت تھوڑا ہے۔ ہماری ذمہ داریاں بے انتہا ہیں اور مشکلات کا کوئی اندازہ نہیں اور آخر جس طرح بھی ہو گرتے پڑتے ہمت سے کام کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہی چونکہ وہ کام کرنا ہے اس لیے ہماری کوشش کتنی کم کیوں نہ ہو یہ یقین ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کو پورا کرنے کی توفیق دے دے گا۔

دو یا تین ہفتے ہوئے مَیں نے بیان کیا تھا کہ مجھے سلسلہ کی آئندہ ترقی کے متعلق بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر چونکہ ایک ہی خطبہ میں ان سب کا بیان کرنا ممکن نہیں اس لیے آہستہ آہستہ مختلف خطبات میں مَیں انہیں بیان کروں گا اور حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک دن جو

دو جمعوں کے درمیان گزرتا ہے ہمارے لیے مشکلات بڑھاتا جاتا ہے اور ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپ کو جلد سے جلد ایسے رنگ میں منظم کرلیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسی بنیاد دین کی اشاعت کے لیے قائم ہو جائے کہ جس پر آئندہ سہولت کے ساتھ عمارت بنائی جاسکے۔

مَیں جس سکیم کی طرف سب سے پہلے توجہ دلانا چاہتا تھا وہ جماعت میں علماء کے پیدا کرنے کے متعلق تھی۔ میرا دل کانپ جاتا ہے اِس خیال سے کہ اِس بارہ میں اِس وقت تک ہم سے بہت بڑی کوتاہی ہوئی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے زمانہ میں جن لوگوں کا انجمن پر تسلّط تھا انہوں نے چاہا تھا کہ دینی علوم سے جماعت کی توجہ ہٹادی جائے اور احمدیہ سکول کو بند کر دیا جائے اور جس قدر روپیہ میسر ہو وہ قوم کے بچوں کو ڈاکٹر، وکیل، بیرسٹر اور انجینئر وغیرہ بنانے پر صَرف کیا جائے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ دینی علوم تو غیروں سے بھی لیے جاسکتے ہیں مگر دنیوی تعلیم جماعت کی ترقی کے لیے بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اُس وقت بھی مجھے اس ناپاک سکیم کے توڑنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ 1908ء کے سالانہ جلسہ کی بات ہے۔ میری عمر اُس وقت بیس سال کی تھی اور مَیں کسی دوسرے کام میں مشغول تھا کہ کسی نے مجھے بتایا کہ مسجد مبارک میں جلسۂ مشاورت ہو رہا ہے اور سلسلہ کے لیے سکیمیں سوچی جا رہی ہیں۔ باوجودیکہ مَیں انجمن کا ممبر تھا مگر مجھے کسی نے اس جلسہ کی اطلاع نہ دی تھی۔ مَیں یہ اطلاع ملتے ہی مسجد میں آیا اور مَیں نے دیکھا کہ وہاں جماعتوں کے نمائندے جمع ہیں۔ خواجہ کمال الدین صاحب تقریر کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ جماعت کی ترقی کے لیے ایسے مبلّغوں کی ضرورت ہے جو بیرسٹر، وکیل اور انجنیئر وغیرہ ہوں جو اپنا اپنا کام بھی کریں اور ساتھ سلسلہ کی تبلیغ بھی۔ مولویوں کی ہمیں ضرورت نہیں۔ یہ لوگ تو جماعت پر بار ہوتے ہیں اور ان کے گزارہ کی جماعت کو فکر ہوتی ہے۔ اس لیے چاہیے کہ جو روپیہ مدرسہ احمدیہ پر خرچ ہوتا ہے اُسے محفوظ کرلیا جائے اور پھر وہ جماعت کے لڑکوں کو وکالت اور ڈاکٹری وغیرہ کی تعلیم دلوانے پر خرچ کیا جائے تا وہ اپنی روزی بھی کما سکیں، چندے بھی دیں اور تبلیغ بھی کرتے رہیں۔ اس طرح جماعت کو بہت ترقی حاصل ہو سکے گی۔ میرا علم اور تجربہ اُس وقت ایسا نہ تھا کہ اس سکیم کے علمی پہلو پر زیادہ بحث کر سکتا۔ مَیں جب پہنچا تو جگہ بھی مجھے ایک کونہ میں ملی جہاں لوگ جُوتیاں اُتارتے ہیں اور مَیں

وہیں کھڑا ہو گیا۔ مَیں نے وہیں سے کہا کہ مَیں بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اُس وقت خواجہ صاحب کی پیش کردہ سکیم سے 99 فیصدی لوگ مسحور ہو چکے تھے کہ وہ سمجھتے تھے گویا کوئی سونے کی کان اُن کو مل گئی ہے اور اگر اس پر عمل کیا جائے تو جماعت کو بہت ترقی ہو گی اور دنیا کے کناروں تک آسانی سے تبلیغ ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اُس وقت مجھے ایک نکتہ سُوجھایا اور مَیں نے کھڑے ہو کر جماعت کو اس طرف توجہ دلائی کہ اسلام کی تائید کے لیے اللہ تعالیٰ نے اِس وقت تک دو جماعتیں کھڑی کی ہیں۔ ایک وہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھوں میں تربیت پائی اور دوسری وہ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں میں تربیت پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد تمام عرب باغی ہو گیا تھا اور اکثر قبائل نے زکوٰۃ کا دینا بند کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ زکوٰۃ کا لینا صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہی حق تھا۔ قرآن کریم میں انہی کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً[1] یعنی اے محمد! تُو ان کے مالوں سے صدقات لے اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی نہ رہے تو یہ حکم بھی باطل ہو گیا اس لیے اب زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں۔ مکہ مدینہ اور ایک اَور قصبہ کے لوگ تھے جو زکوٰۃ دینے کے لیے تیار تھے اور جو سمجھتے تھے کہ قرآن کریم کے احکام ہمیشہ کے لیے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھ ہی ختم نہیں ہو گئے۔ مدینہ چونکہ خلافت کا مرکز تھا اور حضرت ابوبکرؓ مُصر تھے کہ قرآنی تعلیم کے مطابق زکوٰۃ وصول کی جائے۔ اس لیے مرتدین نے چاروں طرف سے مدینہ پر چڑھائی شروع کر دی تا اس نظام کو توڑ دیں جو ان پر زکوٰۃ کا جؤا ہٹانے کو تیار نہیں اور ان لشکروں میں جو مدینہ پر چڑھائی کر رہے تھے بعض میں ایک ایک لاکھ سے زیادہ سپاہی تھے لیکن ان کے مقابل پر صحابہؓ کی تعداد صرف چند ہزار تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے ماتحت ایک لشکر حضرت اسامہؓ بن زید کی قیادت میں شام کی طرف ایک ایسے حملہ کا جواب دینے کے لیے جانے کو تیار تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی میں ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کی وجہ سے چند روز کے لیے رُک گیا تھا۔ اِس گھبراہٹ کے عالَم میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اکابر صحابہؓ ایک جگہ جمع ہوئے اور

صورتِ حالات پر غور کر کے تجویز کی کہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس جا کر عرض کریں کہ یہ نازک وقت ہے، مدینہ پر مرتدین کی چڑھائی ہو رہی ہے اس لیے کچھ وقت کے لیے اسامہ کے لشکر کو روک لیا جائے تا پہلے وہ مرتدین کا مقابلہ کرے اور پھر امن قائم ہونے پر شام کی طرف چلا جائے۔ وہ لوگ اس یقین اور وثوق کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے کہ اسلام کی بہتری اِسی تجویز میں ہے کہ اس لشکر کو روک کر پہلے مرتدین کا مقابلہ کر لیا جائے اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ ایسی عقل کی بات ہے کہ کوئی بے وقوف ہی اس کا انکار کر سکتا ہے۔ پھر جن لوگوں نے یہ تجویز کی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مشیر تھے۔ چنانچہ وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے اور کہا کہ ہم لوگ مشورہ کر کے آئے ہیں اور حضرت عمرؓ نے یہ تجویز ان کے سامنے پیش کی اور تفصیل کے ساتھ اسلام کی مشکلات کو پیش کیا اور حملہ کے خطرات بیان کیے اور کہا کہ ہم یہ درخواست کرنے آئے ہیں کہ اسامہ کے لشکر کو کچھ عرصہ کے لیے روک لیا جائے تا پہلے مرتدین کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس کے بعد پھر اس لشکر کو شام کی طرف بھیجا جا سکتا ہے۔ جب حضرت عمرؓ اپنی بات ختم کر چکے تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا دوستو! آپ نے جو مشورہ دیا ہے وہ نہایت صحیح ہے مگر کیا ابو قحافہ کے بیٹے ابو بکرؓ سے آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ خلیفہ ہونے کے بعد پہلا کام یہی کرے کہ جو لشکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھیجنا تجویز فرمایا تھا اُسے روک لے؟ مَیں اپنی خلافت کا زمانہ اِس تاریک باب سے شروع کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ اگر مرتدین مدینہ میں گھس آئیں اور مسلمان عورتوں کی لاشوں کو کُتّے گلیوں میں گھسیٹتے پھریں تب بھی یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اِس لشکر کو روک لوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھیجنا تجویز فرمایا تھا۔**2** میں نے کہا یہ تو پہلی جماعت کا حال تھا۔ ہم دوسری جماعت ہیں جس کی تربیت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی۔ کیا یہ مناسب ہے کہ آپ کی وفات کے بعد پہلے ہی جلسہ پر ہم یہ مشورہ کریں کہ جو مدرسہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حکم سے قائم فرمایا اور جس کا مشورہ آپ نے خود بیٹھ کر دوستوں سے کیا اور جس کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ مولوی عبدالکریم صاحب اور مولوی برہان الدین صاحب کی یادگار ہے تا سلسلہ کے لیے نئے علماء پیدا کیے جائیں ہم آپ کی وفات کے بعد پہلا کام

یہی کریں کہ اس مدرسہ کو جسے آپؐ نے جاری فرمایا تھابغیر کسی ایسے خطرہ کے جو حضرت ابو بکرؓ کو درپیش تھا بند کر دیں اور آپ کے کام کو منسوخ کرکے ایک نیا نظام قائم کر دیں؟ اللہ تعالیٰ نے میری بات میں ایسا اثر دیا کہ اکثر احباب کے قلوب ہل گئے۔ بہت سوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور کئی کی چیخیں نکل گئیں اور سب نے بِالاتفاق آواز بلند کی کہ ہم ایسا کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس طرح یہ مدرسہ قائم فرمایا ہم اسے اُسی طرح رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ دیکھ کر خواجہ صاحب اپنی لسّانی اور تجربہ اور علم کے باوجود ایسے گھبرا گئے کہ انہوں نے جھٹ پہلو بدل کر کہا دوستوں نے میری بات کو سمجھا نہیں میرا مطلب کچھ اَور تھا، میں دین کی تعلیم کو روکنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر جو کچھ انہوں نے سمجھانا چاہا کسی نے اُس کو نہ سمجھا اور آخر خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اب مناسب یہ ہے کہ بعد میں لکھ کر یہ تجویز چلی جائے اور جماعتیں آرام سے غور کرکے مشورہ دیں۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ اب چونکہ یہ لوگ اُن کی رائے کے خلاف رائے کے ہوگئے ہیں اِس لیے بعد میں کسی وقت بیرونی جماعتوں میں یہ تجویز بھیج دیں گے اور اُن کا خیال تھا کہ لوگ اُن کی اِس رائے کے مطابق ہی مشورے دیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ جس کو مامور بنا کر بھیجتا ہے اس کی جماعت ایسی کچی نہیں ہوتی۔ وقتی طور پر تو وہ دھوکے میں آسکتی ہے مگر مستقل طور پر دھوکے میں نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ دو تین ماہ کے بعد ان لوگوں کی طرف سے یہ تجویز بیرونی جماعتوں کو بھیجی گئی اور 99 فیصدی جماعتوں نے یہی مشورہ دیا کہ ہم اس مدرسہ کو توڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قائم فرمایا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء کو انجمن نے جس کے سپرد نظام کو چلانا ہے اور جس کے کاموں میں مَیں بہت ہی کم دخل دیا کرتا ہوں تا وہ اپنی ذمہ داری پر کام کو چلا سکیں پوری طرح پیش نظر نہیں رکھا اور ان کے ذہن سے بہت حد تک وہ پروگرام مستور ہو گیا۔ انہوں نے مدرسہ کو جاری تو رکھا بلکہ میرے مشورہ سے کالج بھی قائم کر دیا مگر اس کے ساتھ ہی ان کے مدنظر یہ بات بھی رہی کہ ان میں تعلیم پانے والے نوجوان مولوی فاضل کا امتحان پاس کر سکیں اور ڈگریاں حاصل کر سکیں تا سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے میں ان کو آسانی ہو اور اس طرح

تمام کوششیں مولوی فاضل کی ڈگری کے گرد ہی چکر لگاتی رہیں اور ایسے عالم پیدا نہ ہو سکے جو اسلام کا ٹھوس علم رکھنے والے ہوتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انکشاف فرمایا کہ میرے ذمہ اِس وقت اسلام کی خدمت خاص طور پر ہے اور خلافت کی ذمہ داریوں سے علاوہ یہ خاص کام میرے سپرد ہے تو پہلی باتوں میں سے جو میرے ذہن میں آئیں ایک یہ تھی کہ علماء کا ایک مضبوط گروہ پیدا کرنا ضروری ہے۔ قاضی امیر حسین صاحب، حافظ روشن علی صاحب اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اپنے اپنے رنگ میں کامل تھے۔ قاضی صاحب علمِ حدیث کے ماہر تھے، حافظ صاحب قرآن کریم کی تفسیر کے اور مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کے۔ مگر ان کے قائمقام پیدا کرنے کا ہمیں اب تک احساس نہ ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ مَیں اِس کام کو اپنے ہاتھ میں لوں تا جلد از جلد اسلامی علماء کی ایک مضبوط جماعت قائم ہو سکے جو ہمیشہ کے لیے ایک ایسی بنیاد کا کام دے جس سے آئندہ علماء کا سلسلہ چلتا جائے۔ لیکن ابھی مَیں اِس کا اعلان بھی نہ کرنے پایا تھا کہ ایک اَور جیّد عالم ہم میں سے اُٹھ گیا۔ اِس وقت جہاں تک تعلیم کا سوال ہے ہمارے پاس دو ہی آدمی تھے۔ یعنی مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب اور میر محمد اسحٰق صاحب لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت نے میر صاحب کو اٹھا لیا اور اب ہمیں تھوڑے سے وقت میں اور بہت تھوڑے سامان سے نئی عمارت کی بنیاد رکھنی ہے۔

مولوی سید سرور شاہ صاحب بے شک بہت باہمت ہیں اور جس طرح وہ ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں اُسے دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے۔ مگر اب وہ بوڑھے ہو چکے ہیں، ان کی کمر بھی خم ہو گئی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اُنہیں زیادہ سے زیادہ عمر بھی دے تو بھی اب وہ زیادہ کام نہیں کر سکتے۔ اِس میں شک نہیں کہ جماعت میں دوسرے درجہ کے علماء کی ایک جماعت ہے جیسے شمس صاحب اور مولوی ابوالعطاء صاحب ہیں مگر یہ لوگ دوسرے نمبر پر ہیں۔ ان کے مطالعہ کی وسعت اور کسی خاص علم میں ان کی خصوصیت مذکورہ علماء جیسی نہیں۔ ہم میں علماء کی ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے کہ جن میں سے ہر ایک قرآن و حدیث اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کامل عالم ہو۔ بڑے سے بڑے قاضی، فقیہہ، محدث

اور مفسر ہوں اور یہ چیز ابھی ہم سے بہت دور ہے۔ سال سے کچھ کم عرصہ ہوا مَیں نے اس کی بنیاد قائم کرنی شروع کی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی بندے کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے تو اُس سے ایسے کام کراتا ہے کہ پہلے اُسے خود بھی نظر نہیں آتا کہ وہ کام کیسا اہم ہے۔ پھر آہستہ آہستہ جب وہ پھیلتا ہے تو اس کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ مَیں نے کچھ عرصہ ہوا یہ محسوس کیا کہ تحریک جدید کے واقفین کی تعلیم جس رنگ میں ہو رہی ہے اس طرح وہ مکمل نہیں ہو سکتی اور مَیں نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا تا ایسے اصول پر ان کی تعلیم ہو سکے کہ وہ چوٹی کے علماء بن سکیں۔ اور مَیں نے ان سے کہا کہ پہلے وہ صَرف و نحو کی تعلیم حاصل کریں اور اس میں کامل بنیں کیونکہ یہ علم ہر دوسرے علم کے حاصل کرنے میں مددگار ہوتا ہے۔ اب ان میں سے بعض طالب علم ایسے مقام پر ہیں کہ دو تین ماہ میں اسے مکمل کر سکیں گے اور پھر اس سے دوسروں کو پڑھانے اور سکھانے کی قابلیت ان میں پیدا ہو جائے گی۔ اب اللہ تعالیٰ نے جو انکشاف مجھ پر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جب یہ لوگ صَرف و نحو کی تعلیم مکمل کر لیں تو ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ بعض کو فقہ کی اعلیٰ تعلیم دلائی جائے، بعض کو حدیث کی، بعض کو تفسیر کی اعلیٰ تعلیم دلائی جائے اور اس طرح تین تین چار چار کو مختلف علوم کی تکمیل کرائی جائے۔ اور پھر پانچ چھ ماہ یا سال کے بعد وہ ایک دوسرے کو اپنے اپنے حاصل کردہ علوم کی تکمیل کرا دیں اور جو جو علم کسی نے سیکھا ہو وہ دوسروں کو سکھا دیں اور اس طرح ان میں سے ہر ایک دوسرے کا شاگرد اور استاد بن جائے اور سب کے سب مختلف علوم میں کمال حاصل کر سکیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو اگر باری باری سارے علوم سکھائے جائیں تو ہو سکتا ہے کہ سب کے کامل ہونے تک وہ لوگ جماعت میں سے اُٹھ جائیں جو ان نوجوانوں کو تعلیم دیتے ہیں اس لیے ان کو گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ تین چار تفسیرِ قرآن سیکھنے میں لگ جائیں، تین چار حدیث سیکھنے میں، تین چار تصوف سیکھنے میں، تین چار علمِ کلام کے سیکھنے میں اور تین چار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کے سیکھنے میں۔ اور چونکہ ان سب کو ان سب علوم کا سکھانا ضروری ہے اس لیے ان میں سے ہر ایک، ایک علم میں کمال

حاصل کرنے کے بعد دوسرے کو سکھائے۔ فقہ کے علماء حدیث کے علماء کو فقہ کی اعلیٰ تعلیم دیں اور حدیث کے علماء فقہ کے علماء کو حدیث کی اعلیٰ تعلیم دیں اور اس طرح باہم استاد شاگرد ہو کر مکمل علوم کے ماہر بن جائیں۔ لیکن یہ سکیم پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک ایسے افراد زیادہ تعداد میں نہ ہوں جو دین کے لیے اپنی زندگیاں وقف کریں۔ جسمانی کام ایک ایک آدمی سے بھی چل سکتے ہیں کیونکہ جسم کا فتح کرنا آسان ہے۔ مگر روحانی کاموں کے لیے بہت آدمیوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے کیونکہ دلوں کا فتح کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ہمارے پاس اتنے معلّم ہوں کہ ہم انہیں تمام جماعت میں پھیلا سکیں اور تمام افرادِ جماعت کو حسبِ قابلیت قرآن، حدیث اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کی تعلیم دے سکیں۔ اِس وقت یہ حالت ہے کہ علم صرف چند لوگوں تک محدود ہے باقی صرف ایمان رکھتے ہیں زیادہ علم اُن کو نہیں۔ اور یہ چیز جماعت کی ترقی میں مُمد نہیں ہو سکتی۔ ضروری ہے کہ ہماری جماعت کا ہر زمیندار، تاجر، پیشہ ور، وکیل، بیرسٹر، ڈاکٹر، انجنیئر ایک خاص حد تک قرآن، حدیث اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم رکھتا ہو۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے پاس علماء کی کثرت نہ ہو۔

اِس کے ساتھ ہی اِس بات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ علماء کی کثرت کے ساتھ اخراجات میں بھی اضافہ ہونا لازمی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ فی الحال دو سَو علماء کی ہمیں ضرورت ہے تب موجودہ حالات کے مطابق جماعتی کاموں کو تنظیم کے ماتحت چلایا جا سکتا ہے۔ لیکن اِس وقت واقفین کی تعداد 30،35 ہے۔ اِس وقت جماعت کے لوگ اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس کر رہے ہیں۔ مگر مَیں کہتا ہوں کہ صرف مُنہ کی باتیں، بیانات اور نعرے لگا دینے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ ضرورت ہے کہ اِس تبدیلی سے فائدہ اٹھایا جائے اور عملی قربانی کے لیے نوجوان آگے آئیں۔ زمیندار طبقہ ہمارے ملک کی جان ہے۔ اِن میں سے اور اُن قوموں میں سے جو باہر سے ہندوستان میں آئی ہیں مثلاً پٹھان، قریشی، سید، مغل اور راجپوت وغیرہ اقوام میں سے بہت کم نوجوانوں نے زندگیاں وقف کی ہیں۔ زیادہ تر ایسے نوجوانوں نے زندگیاں وقف کی ہیں جن کا پشت پناہ جماعتی طور پر کوئی نہیں۔ اور ایسی صورت میں بعض اوقات

دشمن اعتراض کر سکتا ہے کہ جن لوگوں کے گزارہ کی کوئی صورت نہ تھی انہوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ گو یہ بات ہے تو جھوٹ۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ روح ہماری جماعت میں نہیں مگر کم سے کم دشمن کے لیے اعتراض کا موقع تو ضرور ہے۔ اس لیے وہ اقوام جن کو اللہ تعالیٰ نے سیاسی عزت دی ہے اگر اپنے فرائض کو ادا کریں تو اُن کی عزت قائم رہ سکتی ہے۔ اگر ان کے اندر قربانی کا مادہ پیدا نہ ہوا تو ان کی عزت چھن جائے گی۔ اِس وقت دنیا میں ایسے انقلاب اور تغیرات ہونے والے ہیں کہ اگر ان قوموں نے جو اِس وقت سیاسی طور پر معزز سمجھی جاتی ہیں اپنا حصہ قربانیوں کا ادا نہ کیا تو وہ گر جائیں گی اور وہ عزت پا جائیں گی جو اس وقت سیاسی طور پر معزز نہیں سمجھی جاتیں۔ قرآن و حدیث میں بھی ایسی پیشگوئیاں موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں عزت والی قومیں گر جائیں گی اور ادنیٰ سمجھی جانے والی معزز ہو جائیں گی۔ اسلام نے تو کسی قوم کو ذلیل قرار نہیں دیا اور قومی فرق کو تسلیم نہیں کیا۔ اسلام کے نزدیک ہر شخص اگر خدمتِ دین کرے تو وہ معزز اور سردار ہے۔ مگر اُن قوموں کے لیے جو سیاسی طور پر معزز سمجھی جاتی ہیں بہت شرم کی بات ہو گی اگر وہ قربانیوں میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے گر جائیں اور سیاسی طور پر ادنیٰ سمجھی جانے والی قومیں آگے آ جائیں۔

پس مَیں تحریک کرتا ہوں کہ سیاسی طور پر معزز سمجھی جانے والی اقوام کے لوگ اپنے کو اور اپنی اولادوں کو دین کے لیے وقف کریں۔ وقت بہت تھوڑا ہے اور کام بہت زیادہ ہے۔ خدا تعالیٰ اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ اگر ہم سستی سے کام لیں گے تو خدا تعالیٰ اپنے کام کے لیے کوئی اَور انتظام کرے گا اور ہماری بدقسمتی پر مُہر ہو جائے گی۔ کاش! ہمارے دل اِس فرض کو پورے طور پر محسوس کریں۔

اے عزیزو! کاش ہمارے ایمان آج ہم کو شرمندگی سے بچا لیں۔ کاش! ہمارے جسم ہماری روح کے تابع ہو کر ہمیں اپنا فرض ادا کرنے دیں۔ کاش! ہمارے آج کے افعال قیامت کے دن ہم کو شرمساری اور رُوسیاہی سے بچا لیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہر فرد آگے بڑھتا اور اپنی زندگی وقف کرتا مگر کم سے کم ایک حصہ کو تو آگے بڑھنا چاہیے۔ مَیں مانتا ہوں کہ

دوست چندے میں قربانی کرتے ہیں لیکن زندگی وقف کرنے کے لیے بہت کم لوگ آئے ہیں۔ضرورت ہے کہ آئندہ مدرسہ احمدیہ میں زیادہ بچے داخل کرائے جائیں اور مَیں انجمن کو توجہ دلاتا ہوں کہ ایسے رنگ میں ان کی تعلیم کا انتظام کیا جائے کہ چاہے مولوی فاضل وہ نہ ہوسکیں مگر دینی علوم کے ماہر بن جائیں۔ ہمیں مولوی فاضلوں کی ضرورت نہیں بلکہ ضرورت یہ ہے کہ مبلغ مل سکیں۔مالی کمزوری کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ہر سال تین نئے مبلغ رکھے جائیں مگر کئی سالوں سے ایک بھی نہیں رکھا گیا اور اب کئی سال کے بعد ایک رکھا گیا ہے۔ حالانکہ کام کی وسعت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر سال ایک سو نہیں بلکہ دو سو مبلغ رکھے جائیں۔ پس مَیں ایک تحریک تو یہ کرتا ہوں کہ دوست مدرسہ احمدیہ میں اپنے بچوں کو بھیجیں تا انہیں خدمتِ دین کے لیے تیار کیا جاسکے اور دوسری تحریک انجمن کو یہ کرتا ہوں کہ پڑھائی کی سکیم ایسی ہو کہ تھوڑے سے تھوڑے عرصہ میں زیادہ سے زیادہ دینی تعلیم حاصل ہوسکے اور اس رستہ میں جو چیز بھی حائل ہو اُسے نکال دیا جائے۔ مولوی فاضل بنانا ضروری نہیں۔ جس نے ڈگری حاصل کرنی ہو وہ باہر چلا جائے۔ اِس دوغلاپَن کو دور کرنا ضروری ہے۔ دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے والا کبھی ساحل پر نہیں پہنچا کرتا۔ پس تعلیم کا انتظام ایسے رنگ میں کیا جائے کہ جلد سے جلد مکمل علماء ہمیں مل سکیں۔ فقہ، تفسیر، حدیث، تصوّف اور کلام وغیرہ علوم میں ایسی دسترس حاصل کرسکیں کہ چوٹی کے علماء میں ان کا شمار ہو۔ بلکہ دنیا میں صرف وہی علماء سمجھے جائیں اور اسلام کے ہر فرقہ اور ہر ملک کے لوگ اختلافِ عقائد کے باوجود یہ تسلیم کریں کہ اگر ہم نے ان علوم کو سیکھنا ہے تو احمدی علماء سے ہی سیکھنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کا ایک حصہ تبلیغ میں حصہ لیتا ہے مگر ضرورت ہے کہ اِس طرف اَور زیادہ توجہ کی جائے۔اب کے جو مَیں نے اعلان کیا تو دسویں جماعت کے پانچ طلباء نے بھی اپنے نام پیش کیے ہیں۔☆ دنیوی علوم حاصل کرنے والے نوجوان بھی اگر اپنے نام پیش کریں تو اُن کو بھی

☆ اس کے بعد اَور نوجوان میٹرک پاس نے وقف کیا ہے اور بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ والوں نے بھی۔

ایسی تعلیم دی جاسکتی ہے کہ دین کا کام اُن سے لیا جاسکے اور دین کے اُن حصوں میں جن میں دنیوی تعلیم مُمد ہوتی ہے ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ مثلاً ڈاکٹروں کی ضرورت ہے۔ ادنیٰ اقوام میں تبلیغ کے لیے ڈاکٹر بہت زیادہ مفید ہوسکتے ہیں۔ بلکہ ان کے لیے ان سے زیادہ بہتر مبلغ کوئی نہیں ہوسکتا۔ عیسائیوں نے ہسپتال کھول کر ہی چالیس لاکھ افراد کو عیسائی بنالیا ہے۔ مدراس میں جو قریباً ایک ہزار سال تک مسلمانوں کے زیر نگین رہا مسلمانوں کا تناسب کُل آبادی کا چھ فیصدی ہے مگر عیسائی بارہ فی صدی ہیں۔ گویا ایک مسلمان کے مقابلہ میں دو عیسائی ہیں اور یہ ترقی انہوں نے صرف ایک صدی میں کی ہے۔ کیونکہ ان کے ڈاکٹر اپنی زندگیوں کو خطرہ میں ڈال کر ان میں جاکر ہسپتال جاری کرتے اور ان کا علاج کرتے ہیں۔ اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ جو ہم سے ہمدردی کرتے ہیں ہم بھی ان کی باتیں سنیں۔ اور چونکہ عیسائیت کی دینی تعلیم نورِ نبوت سے متمتع ہے اس لیے مشرکانہ تعلیم کی نسبت اچھی ہے اور وہ لوگ جب اِسے سنتے ہیں تو اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ لیکن ان کے بجائے اگر اسلامی ڈاکٹر اُن کا علاج کریں اور ساتھ اسلام کی سادہ اور مساوات کی تعلیم ان کے گوش گزار کریں تو بہت جلد کامیابی ہوسکتی ہے۔ عیسائی مشنریوں نے ان کو عیسائی تو بنا لیا مگر ان میں مساوات قائم نہیں کرسکے۔ وہی چُھوت چھات کے اثرات ابھی تک ہیں اور دوسری اقوام ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ مگر چونکہ اسلام میں جب ایک آدمی داخل ہوتا ہے تو ایسا پکّا مسلمان بن جاتا ہے کہ پہلی قومیت بالکل مٹ جاتی ہے اور کوئی مسلمان اس کے ساتھ کھانے پینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ اسلامی تعلیم میں جو خوبیاں ہیں اگر ڈاکٹر اسے ادنیٰ اقوام کے لوگوں کے سامنے پیش کریں تو لاکھوں کی تعداد میں ان کو داخلِ اسلام کیا جاسکتا ہے۔

پس ایسے نوجوان بھی اپنی زندگیاں وقف کریں جنہوں نے سائنس میں میٹرک پاس کیا ہو یا اس سال پاس ہونے کی امید ہو۔ اسی طرح گریجوایٹ وغیرہ تا جو ڈاکٹری کے لیے مناسب ہوں اُنہیں ڈاکٹری کی تعلیم دلوا کر ادنیٰ اقوام میں جن تک ابھی اسلام کا نور نہیں پہنچا تبلیغ کے لیے بھیجا جاسکے اور جو دوسرے کاموں کے لیے مناسب ہوں اُنہیں دوسرے کاموں کے لیے تعلیم دلائی جائے۔ ہندو ان لوگوں کو ابھی تک ذلیل سمجھتے ہیں، ان سے چُھوت چھات

کرتے ہیں، ان غریبوں کو غلام قرار دے رکھا ہے۔ اس لیے جب ہمدردی سے ان کی خدمت کی جائے اور احسن رنگ میں اسلامی تعلیم ان کے سامنے پیش کی جائے تو عیسائیوں کی نسبت کئی گُنا زیادہ کامیابی ہو سکتی ہے۔ پس یہ رستہ بھی بند نہیں۔ دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان بھی اپنے آپ کو وقف کر سکتے ہیں اور ان سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ تعلیم اور کام کے متعلق ان کا کوئی دخل نہ ہو گا۔ یہ کام ہمارا ہو گا کہ ہم فیصلہ کریں کہ کس سے کیا کام لیا جائے گا۔ بعض لوگ حماقت سے یہ سمجھتے ہیں کہ جو تقریر اور تحریر کرے وہی مبلغ ہے۔ حالانکہ اسلام تو ایک محیطِ کُل مذہب ہے۔ اس کے احکام کی تکمیل کے لیے ہمیں ہر قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ وہی مبلغ نہیں جو تبلیغ کے لیے باہر جاتا ہے جو سلسلہ کی جائیدادوں کا انتظام تندہی اور اخلاص سے کرتا ہے اور باہر جانے والے مبلغوں کے لیے اور سلسلہ کے لیے، لٹریچر کے لیے روپیہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں کماتا ہے وہ اُس سے کم نہیں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک مبلغوں میں شامل ہے۔ جو سلسلہ کی عمارتوں کی اخلاص سے نگرانی کرتا ہے وہ بھی مبلغ ہے، جو سلسلہ کے لیے تجارت کرتا ہے وہ بھی مبلغ ہے، جو سلسلہ کا کارخانہ چلاتا ہے وہ بھی مبلغ ہے، جو زندگی وقف کرتا ہے اور اسے سلسلہ کے خزانہ کا پہرہ دار مقرر کیا جاتا ہے وہ بھی مبلغ ہے۔ کسی کام کی نوعیت کا خیال دل سے نکال دو اور اپنے آپ کو سلسلہ کے ہاتھ میں دے دو۔ پھر جہاں تم کو مقرر کیا جائے گا وہی مقام تمہاری نجات اور برکت کا مقام ہو گا۔

غرض مَیں ایک تو اِس امر کی طرف جماعت کو توجہ دلاتا ہوں اور دوسرا حصہ اخراجات کا ہے جس کی طرف مَیں توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ مَیں نے جائیداد وقف کرنے کی تحریک کی تھی۔ قادیان کے دوستوں نے اس کے جواب میں شاندار نمونہ دکھایا ہے اور اس تحریک کا استقبال کیا ہے۔ بہت سے دوستوں نے اپنی جائیدادیں وقف کر دی ہیں۔ مگر بیرونی جماعتوں کی طرف سے اِس تحریک کا جواب ایسا شاندار نہیں بلکہ قادیان کی نسبت نصف بھی نہیں۔☆ پس مَیں

☆ بعد میں یہ بات درست ثابت نہیں ہوئی۔ کئی دن کی ڈاک پڑی ہوئی تھی، جب اسے پڑھا گیا تو سینکڑوں وعدے اُس سے نکلے ہیں۔ مگر ابھی بہت توجہ کی ضرورت ہے۔

بیرونی جماعتوں کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ دوست جائیدادیں وقف کریں۔ یہ وقف جیسا کہ مَیں نے پہلے بیان کیا تھا اِس صورت میں ہوگا کہ ان کی جائیداد ان ہی کے پاس رہے گی اور آمد بھی مالک کی ہی ہوگی اور وہی اُس کا انتظام بھی کرے گا۔ ہاں جب سلسلہ کے لیے ضرورت ہوگی ایسی ضرورت جو عام چندہ سے پوری نہ ہو سکے تو جتنی رقم کی ضرورت ہوگی اُسے ان جائیدادوں پر بحصہ رسدی تقسیم کر دیا جائے گا۔ مَیں پہلے بھی اس تجویز کو بیان کر چکا ہوں لیکن اب پھر اسے بیان کر دیتا ہوں۔ فرض کرو ایک شخص کی جائیداد ایک ہزار کی ہے، دوسرے کی دس ہزار کی اور تیسرے کی ایک لاکھ کی ہے۔ ایک کمیٹی مقرر کر دی جائے گی جو کسی ضرورت کے لیے اخراجات کا اندازہ کرے گی۔ فرض کرو کمیٹی کا اندازہ یہ ہے کہ ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ رقم اتنی ہے کہ اگر ایک ایک فیصدی حصہ وقف شدہ جائیدادوں کا لے لیا جائے تو پوری ہو سکتی ہے تو جس نے ایک ہزار کی جائیداد وقف کی ہے اُس سے دس روپیہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور جس کی دس ہزار کی جائیداد ہے اُس سے ایک سَو کا اور جس کی ایک لاکھ کی ہے اُس سے ایک ہزار اور جس نے دس لاکھ کی جائیداد وقف کی ہے اُس سے دس ہزار کا مطالبہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اتنے عرصہ میں یہ روپیہ داخل کر دو۔ جس کے پاس روپیہ ہو وہ اپنے حصہ کا روپیہ ادا کر دے۔ لیکن جس کے پاس نہ ہو اُس کی جائیداد کو رہن کر کے اس کے حصہ کا روپیہ وصول کر لیا جائے گا اور اس طرح مطلوبہ خرچ چلایا جائے گا۔ پس جائیدادیں وقف کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنی جائیدادیں انجمن کو دے دیں۔ صرف یہ اقرار کریں کہ جو چندہ ان کے ذمہ ڈالا جائے گا اُسے ادا کریں گے۔ اگر کمیٹی فیصلہ کرے گی کہ مثلاً ایک کروڑ روپیہ کی ضرورت ہے اور وقف شدہ جائیدادیں دو کروڑ روپیہ کی مالیت کی ہیں تو پچاس فیصدی کا مطالبہ کر لیا جائے گا۔ جس کی جائیداد دس لاکھ کی ہوگی اُسے پانچ لاکھ اور جس کی دس ہزار کی ہوگی اُسے پانچ ہزار دینا ہوگا۔ مگر یہ ابھی دور کی بات ہے۔ فِی الحال میرا خیال ہے کہ ایک سے دس فیصدی تک کی ہی چند سالوں تک ضرورت پیش آسکتی ہے۔

جن کی جائیدادیں نہیں ہیں اُن کے دل میں اگر خواہش ہو کہ وہ بھی اِس تحریک میں شامل ہوں تو وہ اپنی آمدنیاں وقف کر سکتے ہیں اور ایسے بھی بعض دوست ہیں جنہوں نے

آمدنیاں وقف کی ہیں۔ کسی نے ایک ماہ کی، کسی نے دو کی، کسی نے تین کی اور بعض تو ایسے ہیں جنہوں نے سال بھر کی آمدنیاں ہی وقف کی ہیں اور لکھا ہے کہ جب سلسلہ کو ضرورت ہو تو ہم سارے سال کی آمد دینے کو تیار ہیں۔ خواہ ہمیں بھیک مانگ کر ہی گزارہ کرنا پڑے۔ جب ہم سے مطالبہ کیا جائے گا ہم سارے سال کی آمد پیش کر دیں گے۔ اگر دوست اس تحریک کی طرف پوری توجہ کرتے تو تین چار کروڑ روپیہ کی جائیدادیں وقف ہونا مشکل نہ تھا۔ پس دوست اس طرف توجہ کریں۔ مگر اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ عام چندوں پر اس کا اثر نہ ہو۔ یہ تحریک طوعی ہے اور ہر شخص کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ چاہے تو اس میں حصہ لے تا زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کر سکے۔ جب کوئی چیز جماعت کے نظام میں داخل ہو جائے تو ہر شخص کو اُس میں حصہ لینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے اور وہ ہو بھی جاتے ہیں۔ مگر ان کا ثواب اس قدر نہیں ہوتا۔ اس لیے مَیں نے یہ تحریک محض طوعی رکھی ہے۔ کسی پر جبر نہیں کہ اس میں حصہ لے۔ اب مَیں پھر قادیان کے اُن دوستوں کو بھی جنہوں نے ابھی تک اِس تحریک میں حصہ نہیں لیا مگر حصہ لینے کی خواہش رکھتے ہیں تحریک کرتا ہوں کہ اِس میں شامل ہوں اور بیرونی جماعت کے دوستوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں۔ وقت بہت تھوڑا اور کام بہت زیادہ ہے۔ پس دوست جلد اس تحریک میں اپنے نام پیش کریں تا ہم اندازہ کر سکیں کہ ضرورت کے وقت علاوہ انجمن اور تحریک جدید کے بجٹ کے کتنا روپیہ ہمیں مل سکتا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ جماعت کے دوستوں کی ماہوار آمد پچاس ساٹھ لاکھ روپیہ ہے اور اگر دوست توجہ کریں تو کافی روپیہ ملنے کی امید ہو سکتی ہے۔ یہ کام ابھی آہستہ آہستہ شروع ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ ربّانی کام وہی ہے جو تھوڑا شروع ہو کر ترقی کرتا ہے۔ غالبًا ہم ابھی اس تحریک کے ماتحت اشد ضرورت کے وقت ایک فیصدی تک حصہ لینا شروع کریں گے۔ مگر مومن کی نیت یہی ہونی چاہیے کہ اگر ساری جائیداد کی بھی دین کے لیے ضرورت ہو تو اُسے دینے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔

مجھے ایک رؤیا میں اِس تحریک کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک عورت ہے جس کا خاوند نیک ہے مگر وہ خود نیک نہیں۔ اس کا ایک بیٹا ہے۔ وہ اس سے

کہتی ہے کہ تیرا باپ اسراف بہت کرتا ہے اگر اس سے کوئی ایک پیسہ مانگے تو پیسہ دے دیتا ہے، اگر دو آنے مانگے تو دو آنے دے دیتا ہے اور وہ اس قسم کا ہے کہ اگر کوئی اس سے سارا مال مانگے تو وہ سارا دے دے گا۔ اور وہ اپنے بیٹے سے کہتی ہے کہ آؤ ہم اس سے سارا مال مانگ لیں وہ ہمیں دے دے گا۔ تو پھر وہ دین کی راہ میں اس مال کو لُٹا نہ سکے گا۔ مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں جماعت کے دوستوں کے سامنے عربی میں تقریر کر رہا ہوں اور یہ مثال دیتا ہوں کہ اس طرح ایک نیک آدمی تھا مگر اس کی بیوی نیک نہ تھی۔ اس کا ایک بیٹا جو مَیں نہیں کہہ سکتا کہ خود نیک تھا یا بُرا مگر اُس کی ماں یہ ضرور سمجھتی تھی کہ وہ اسے اپنا آلۂ کار بنا سکے گی۔ وہ اُسے کہتی ہے کہ تیرے باپ سے کوئی جو کچھ مانگے وہ اسے دے دیتا ہے اور ڈر ہے کہ اگر اُس سے کوئی سارا مال دین کے لیے مانگے تو وہ سارا مال دے دے گا۔ اس لیے آؤ ہم اس سے سارا مال مانگ لیں۔ اس طرح وہ خدا کی راہ میں اسے خرچ نہ کر سکے گا اور ہمیں نقصان نہ ہو گا۔ یہ مثال دے کر مَیں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ ایسے فتنے بھی آدمی کو پیش آسکتے ہیں۔ ان سے ہوشیار رہو۔ مَیں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی اور مَیں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو دین کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں۔ مگر یہ بھی خطرہ ہے کہ اُن کی بیویاں اور بچے اُن کے لیے فتنہ بن جائیں۔ پس پیشتر اِس کے کہ وہ فتنہ بنیں، کیوں نہ ہم ہی ان سے دین کے لیے ان کی جائیدادیں طلب کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان ایمان کے اِس درجہ پر قائم نہ ہو اُس وقت تک وہ صحیح معنوں میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے والا نہیں ہو سکتا۔

اس رؤیا نے مجھے اس طرف توجہ دلائی کہ جب مومن دین کے لیے سب کچھ خرچ کرنے کو تیار ہے تو اگر ہم اس سے ایسا مطالبہ نہ کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ اُس کے بیٹے اور اولادیں لے لیں۔ پس پیشتر اِس کے کہ اِس طرح مومنوں کے مال ضائع ہوں کیوں نہ دین کے لیے انہیں لے لیا جائے۔ پس اِسی رؤیا کے ماتحت مَیں نے اس وقف کی تحریک کی اور دوستوں کو چاہیے کہ اس تحریک میں حصہ لیں۔ یہ وقف ایسا ہے کہ ہم یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ ہمیں جائیدادیں دے دو۔ صرف پابند کرتے ہیں کہ جب اور جتنا مطالبہ کیا جائے گا وہ پیش

کر دیں گے۔ یہ ادنیٰ سے ادنیٰ قربانی ہے۔ یہ اقرار تو دراصل وہ ہے جو ہر شخص احمدیت میں داخل ہوتے وقت کرتا ہے اور اب ایسا کرنا گویا اُس اقرار کو دُہرانا ہے جو ہر احمدی نے جماعت میں داخل ہوتے وقت کیا تھا۔ اور اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کا بیعت کے وقت کا اقرار مصنوعی نہ تھا بلکہ وہ جماعت کو اختیار دیتا ہے کہ جب اس کے اموال کی ضرورت ہو وہ لے سکتی ہے۔ پس مَیں جماعت کو اس کی طرف پھر توجہ دلاتا ہوں کیونکہ ابھی بہت سا حصہ جماعت کا ایسا ہے جس نے ابھی اس پر غور نہیں کیا۔ یہ مَیں نہیں کہتا کہ ہر شخص ایسا کرے۔ ہاں جسے خدا تعالیٰ بشاشتِ قلب عطا کرے اور توفیق دے وہ ضرور اس میں حصہ لے۔ ہاں جو بوجھ محسوس کرے اور جو سمجھتا ہے کہ اگر اس نے ایسا کیا اور اس کے بیوی بچے اُس پر معترض ہوئے تو اُسے پچھتانا پڑے گا وہ نہ حصہ لے۔ صرف وہی حصہ لیں جو سمجھتے ہیں کہ خواہ بیوی، بچے یا عزیز ترین رشتہ دار بھی اس پر ناراض ہوں اسے کوئی پروا نہیں اور جسے اس قربانی کے بعد افسوس نہیں ہوگا بلکہ بشاشت حاصل ہوگی اور جسے یہ خیال نہ آئے گا کہ اُس سے ایسا مطالبہ کیوں کیا گیا۔ بلکہ اسے یہ افسوس ہو گا کہ اُس سے سارا مال کیوں نہیں لے لیا گیا۔ قربانی وہی فائدہ دے سکتی ہے جو بشاشت کے ساتھ کی جائے اور یہ بشاشت مَیں نے دیکھا ہے زیادہ تر غریبوں کو حاصل ہوتی ہے۔ میری تحریک کے بعد بعض غریب عورتیں میرے پاس آئیں اور اپنے زیور پیش کیے کہ یہ لے لیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم خرچ کر لیں اور پھر حصہ نہ لے سکیں۔ مَیں نے کہا کہ ابھی ہم اِس طرح نہیں لے رہے۔ ایک عورت نے تو ایک اَور عورت کے پاس اپنے زیور رکھ دیئے کہ جب ضرورت ہو دے دیئے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ اُس کے پاس ہوں تو خرچ ہو جائیں۔ ایمان کی علامت یہی ہوتی ہے کہ انسان اپنی جان، مال سب کچھ دین کی راہ میں قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہی فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ[3] اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اموال اور اُن کی جانیں جنت کے عوض اُن سے خرید لی ہیں۔ پس جنت کا ملنا اِس امر پر موقوف ہے کہ ہم اپنی جانیں اور اپنے مال دین کی راہ میں وقف کر دیں۔

اس کے بعد میں ایک اَور چندہ کی تحریک کرتا ہوں۔ ہم نے قادیان میں کالج

شروع کر دیا ہے۔ ابتدائی اخراجات کے لیے ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے اور ڈگری کالج بنانے کے لیے مزید ڈیڑھ لاکھ روپیہ درکار ہے۔ ڈگری کالج کے لیے جو خرچ چاہیے وہ تو ڈیڑھ دو سال کے بعد پیش آئے گا اِس وقت ڈیڑھ لاکھ روپیہ درکار ہے۔ عمارت وغیرہ کے لیے قرض لے کر روپیہ دے دیا گیا ہے تا کام شروع ہو سکے۔ جن لوگوں کو یہ احساس ہے کہ میٹرک پاس کرنے کے بعد بیرونی کالجوں میں جانے سے ہمارے نوجوانوں پر بُرا اثر پڑتا ہے کیونکہ ان کی عمر اور علم ابھی ایسا نہیں ہوتا کہ بیرونی اثرات سے وہ محفوظ رہ سکیں وہ خصوصیت سے اِس چندہ میں حصہ لیں تا ہمارے بچے باہر جانے سے پہلے کم سے کم دو سال اَور یہاں رہ سکیں اور بڑی عمر کے ہو کر باہر جائیں۔ پس میں جماعت میں یہ تحریک کرتا ہوں کہ عام چندوں کے معیار کو قائم رکھتے ہوئے وہ اِس چندہ میں حصہ لے۔ اور مجھے امید ہے کہ جماعت کا مالدار حصہ خصوصاً وہ لوگ جن کو جنگ کی وجہ سے ٹھیکوں وغیرہ کے ذریعہ یا دوسرے ایسے ہی کاموں سے زیادہ روپیہ ملا ہے مثلاً تاجر وغیرہ ہیں جن کی آمدنیوں میں کافی اضافہ ہوا ہے، وہ اِس طرف خاص طور پر توجہ کریں۔ یا وہ زمیندار جن کی آمدنیاں بڑھ گئی ہیں۔ ہمارے ملک میں عام زمینداروں کی زمینیں پانچ دس ایکڑ ہی ہیں اور ایسے زمینداروں کے گھروں میں اجناس کی قیمتیں بڑھ جانے کے باوجود دولت جمع نہیں ہوگئی، زیادہ سے زیادہ قرضہ لینے سے بچ گئے ہیں اور وہ روٹی کھانے لگے ہیں۔ مگر جو بڑے بڑے زمیندار ہیں اُن کو کافی روپیہ مل گیا ہے اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ اس روپے سے مربعے اور جائیدادیں وغیرہ خرید لیں۔ وہ بے شک خریدیں مَیں اِس سے روکتا نہیں کیونکہ اِس سے بھی سلسلہ کی دولت بڑھتی ہے۔ مگر مَیں اُن سے یہ ضرور کہوں گا کہ وہ دین کے حصہ کو نہ بُھولیں۔ پس ایسے لوگ اِس چندہ میں خاص طور پر حصہ لیں۔ مَیں کسی کو محروم نہیں کرتا۔ غریب بھی حصہ لے سکتے ہیں اور اگر کوئی غریب ایک دھیلا بھی دیتا ہے تو وہ ردّ نہیں بلکہ شکریہ کے ساتھ قبول کیا جائے گا اور اِس امید کے ساتھ قبول کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اسے ایک لاکھ دینے والے امیر سے بھی زیادہ ثواب دے گا۔ گو اِس کا اعلان اخباروں میں ہو چکا ہے مگر اب اِس خطبہ کے ذریعہ مَیں باقاعدہ مقامی دوستوں کو اور پھر اخبار کے ذریعہ بیرونی دوستوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ اِس چندہ میں

حصہ لیں اور کوشش کریں کہ یہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ چند ماہ کے اندر اندر آجائے تا کالج کے اخراجات کا بوجھ انجمن پر سے اُتر جائے۔ میری تجویز تو یہ ہے کہ پانچ سال کا بجٹ انجمن کے پاس محفوظ ہونا چاہیے۔ اِسی صورت میں صحیح رنگ میں اور دلیری کے ساتھ کام کیا جا سکتا ہے۔ اِس وقت انجمن کا بجٹ پانچ لاکھ کے قریب ہوتا ہے اور اس طرح کم از کم پچیس لاکھ روپیہ کا ریزرو فنڈ ہونا چاہیے۔ مگر انجمن ابھی پرانے قرضوں سے آزاد نہیں ہو سکی اور ایسی حالت میں اس پر کوئی نیا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے اور مخلصین کا فرض ہے کہ اس خرچ کو پورا کریں۔ جن دوستوں کا مَیں نے ذکر کیا ہے وہ خصوصیت سے اِس میں حصہ لیں اور باقی دوست بھی جس قدر دے سکیں دیں۔ باقی دوست اگر ماہوار آمد کا آدھا حصہ بھی دے دیں مثلاً دس روپے ماہوار پانے والا پانچ روپے دے دے اور پچاس والا پچیس تو یہ خرچ آسانی سے پورا ہو سکتا ہے۔ مگر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر شخص ماہوار آمد کا نصف ہی دے۔ بعض لوگوں پر تحریک جدید اور دوسرے چندوں کی وجہ سے بوجھ زیادہ ہے وہ جتنا بھی دے سکیں دے سکتے ہیں۔ مومن کا کام یہی ہے کہ نیکی کے کام میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے۔

اس کے علاوہ گریجوایٹوں اور ایم اے پاس نوجوانوں کی بھی کالج کے لیے ضرورت ہے تا پروفیسر وغیرہ تیار کیے جا سکیں۔ ایسے ہی واقفین میں سے آئندہ ناظروں کے قائمقام بھی تیار کیے جا سکیں گے۔ آگے ایسے لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ناظروں کا قائمقام بنایا جا سکے۔ میری تجویز ہے کہ واقفین نوجوانوں کو ایسے کاموں پر بھی لگایا جائے اور ایسے رنگ میں اُن کی تربیت کی جائے کہ وہ آئندہ موجودہ ناظروں کے قائمقام بھی ہو سکیں۔ پس ایم۔اے پاس نوجوانوں کی ہمیں ضرورت ہے جو کوئی خاص علم پڑھانے کا ملکہ رکھتے ہوں۔ اگر گریجوایٹ بھی ہوں تو ایسے رنگ میں ان کی تربیت کی جا سکتی ہے کہ وہ کام دے سکیں مگر بہتر یہی ہے کہ ایم۔اے پاس ہوں۔

دنیا اِس قدر تیزی سے بدل رہی ہے کہ جب تک ہم ایک میل کے مقابلہ میں سَو میل نہ چلیں ہم اسے زیر نہیں کر سکتے۔ پس ہمیں چاہیے کہ جلد جلد بڑھیں۔ مجھے رؤیا میں بھی یہی دکھایا گیا ہے کہ مَیں جلد جلد بڑھ رہا ہوں۔ شاید میرے کام کا وقت تھوڑا ہو اور

اللہ تعالیٰ میری زندگی میں ہی فتح دلانا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ ہم جلدی جلدی آگے بڑھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی میں بھی ہے کہ وہ جلد جلد بڑھے گا اور قدرت اور فضل و رحمت کا نشان قرار دیا گیا ہے۔ 4 پس فتح کا دن وہی دیکھ سکتا ہے جو جلدی چلنے کی کوشش کرے اور میرے قدم کے ساتھ قدم ملانے کی کوشش کرے۔ اے میرے ربّ! تُو مجھے اَور بھی زیادہ تیز چلنے کی اور جماعت کو میرے قدم سے قدم ملانے کی توفیق بخش۔ اَللّٰھُمَّ آمِیْنَ"۔ (الفضل 31 مارچ 1944ء)

1: التوبۃ:103

2: تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ 70۔ مطبع سرکاری لاہور 1870ء

3: التوبۃ:111

4: اشتہار 20 فروری 1886ء مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 95، 96